تصورِ جلال-اقبال اور رومانوی مفکرین کے افکار کا تقابلی مطالعہ

محمد عارف ☆

پروفیسر ڈاکٹر محمد حماد لکھوی ☆☆

Sublimity(Jalal)is an essential part and element of aesthetics whereas it is not discussed in detail by any ancient Greek philosopher. However, Aristotle offered a glimpse at the topic. According to him, Beauty is based on Number and Magnitude. It was Kant who derived his theory of sublimity from the word'Magnitude' which was used by Aristotle. Kant based his theory of sublimity on two points Magnitude and Power. All western Romanticists were influenced by this theory and they got Sublimity a parallel thing to beauty. Iqbal was the philosopher who presented a unique concept of Sublimity. Iqbal seems to agree with Kant and western Romantic writers that Sublimity is related to power but disagree to accept it a thing apart from beauty. For him Sublimity is an element of Beauty. This research paper deals with Comparative Study of 'Iqbal's theory of sublimity and that of western Romanticists.

Keywords: Sublimity, Aesthetics, Beauty, Magnitude and Power.

فطرت میں بہت سی اشیاء ایسی ہیں جو اپنی وسعت اور عظمت شان کی وجہ سے مہیب اور پر شکوہ دکھائی دیتی ہیں۔ انسان جب ایسی اشیاء کا نظارہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ان اشیاء کی ہیبت طاری ہو جاتی ہے اور انسان کے احساسات پر ان اشیاء کی عظمت غالب آ جاتی ہے۔ ایسی اشیاء کو عام زبان میں جلیل کہا جاتا ہے اور یہ صفت جلال سے متصف سمجھی جاتی ہیں۔

رومانیت پسندوں کی ادبی تخلیقات کا مرکزی نکتہ حسن و جمال تھا تاہم ان کے ہاں جلال کا بھی ایک واضح تصور ملتا ہے۔ اقبال رومانی فکر سے متاثر تھے۔ ان کی ابتدائی دور کی شاعری میں رومانوی فکر کے آثار نمایاں ہیں۔ رومانیت پسندوں کی طرح اقبال بھی حسن و جمال کے شیدا تھے تاہم ان کا تصور جلال رومانیت پسندوں سے قدرے مختلف ہے۔ رومانیت پسندوں کے افکار کا علامہ اقبال کے تصور جلال سے تقابل کرنے سے قبل، جلال کے معنی و مفہوم کی وضاحت اور اس کے تاریخی پس منظر کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

جلال عربی زبان کا لفظ ہے۔ یہ ترکیب صوتی کسی شے کے اپنی عظمت کی وجہ سے دوسری شے پر چھا جانے، اس کو گھیر لینے یا ڈھانپ لینے کے معنیٰ کو متضمن ہے۔ عربی زبان میں "جلال اللہ" کی ترکیب اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کرنے کیلیے استعمال کی جاتی ہے لیکن یہ لفظ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ یہ لفظ عام ہے

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور۔

** پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور۔

(۱)۔ "جلال کل شیء " کا معنی ہے ہر چیز کو ڈھانک لینے والی شے یعنی ڈھکنا (۲)۔ اسی سے ایک لفظ "الجُلّی" ہے اور اس کا معنی ہے "الامر العظیم"۔ الجلل کا معنی ہے الشی العظیم (۳)۔

جلال کے لیے انگریزی زبان میں Sublime کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ پاینے نائٹ Payne Knight جلال کے لغوی مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

The word Sublime both according to its use and etymology must signify high or exalted. (4)

"جلال کا لفظ اپنے استعمال اور اشتقاق ہر دو لحاظ سے عظمت پر دلالت کرتا ہے۔"

پاینے نائٹ (Payne Knigh) کی پیش کردہ یہ تعریف لغوی اعتبار سے تو جلال کے مفہوم کی وضاحت کر رہی ہے، لیکن اصطلاحی اعتبار سے جلال کی حقیقت و ماہیت کے بارے میں علمائے جمالیات کی آرا مختلف فیہ ہیں۔

یونانی فلاسفہ کے ہاں حسن کی حقیقت و ماہیت کے بارے میں تو مباحث ملتی ہیں لیکن جلال کے بارے میں ان کی تصانیف خاموش ہیں۔ البتہ ارسطو (Aristotle) کے ہاں جلال کے متعلق اشارے ملتے ہیں اگرچہ اس نے اس لفظ کو استعمال نہیں کیا۔ ارسطو (Aristotle) اپنی کتاب "Politics" میں حسن کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے:

Beauty is realized in number and magnitude.(5)

"حسن عدد اور ضخامت سے پہچانا جاتا ہے۔"

ارسطو (Aristotle) نے اس عبارت میں خوبصورتی کو دو عناصر پر مشتمل قرار دیا ہے۔ ان میں سے ایک عنصر تو تعدد اجزاء اور ان کی ترتیب ہے جبکہ دوسرا عنصر جسامت ہے۔ جسامت کو حسن کا عنصر قرار دینے سے محسوس ہوتا ہے کہ (Aristotle) کے ذہن میں کسی سطح پر جلال کا تصور موجود ضرور تھا اگرچہ اس نے دیوہیکل جسامت رکھنے والی اشیاء کے لیے جلال کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ البتہ یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ کانٹ نے اپنے تصور جلال کا اساسی نقطہ ارسطو کی اسی تعریف سے اخذ کیا ہے اور اسی کو ترقی دے کر اپنے تصور جلال کی عمارت استوار کی ہے۔

جلال پر سب سے پہلی تصنیف De Sublimate ہے، جس کا انگریزی ترجمہ On the Sublime کے نام سے ملتا ہے۔ یہ کتاب لون جائنس (Longinus) کے نام سے منسوب ہے۔ اس کتاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور میں اس مسئلہ پر فلسفیانہ انداز میں غور و فکر کرنے کا سلسلہ شروع ہو چکا

تھا۔لون جائنس عظمت و کبریائی اور ہیبت وعظمت کو جلال قرار دیتا ہے۔اس کتاب کے بعد اس موضوع پر ایک طویل عرصہ تک سکوت رہا۔اٹھارہویں صدی عیسوی میں دبستانِ معروضیت کے جدید مغربی مفکرین ونکل مان (Winckelmann) کی تحریروں میں جلال کے متعلق مبہم سے اشارے ملتے ہیں تاہم اس کے ہم عصر لیسنگ (Lessing) جو ونکل مان (Winckelmann) ہی کی طرح دبستان معروضیت سے تعلق رکھتا ہے، نے جلال کے متعلق اپنا نقطۂ نظر نسبتاً وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔لیسنگ (Lessing) کے خیال میں جلال صرف فطرت کے عظیم الشان مظاہر میں پایا جاتا ہے اور فنی تخلیقات میں جلال کو پیش نہیں کیا جا سکتا۔اس کے خیال میں عظیم فطری اجسام جن کا بصری ادراک اور مشاہدہ کرنے کے لیے انسان کو اپنی نظریں گھمانی پڑ جائیں اور وہ انسان کو حیرت زدہ کردیں،اشیاء کی اس خصوصیت کو جلال کہتے ہیں اور ایسی اشیاء کو جلیل کہتے ہیں(۶)۔

اٹھارہویں صدی میں کانٹ (Kant) کی وجہ سے جلال،علم جمالیات کے اساسی مسائل میں شامل ہو گیا۔کانٹ نے جلال پر کھل کر اظہار خیال کیا ہے۔یوں کانٹ (Kant) کا تصور جلال خشت اول کی حیثیت رکھتا ہے اسی لیے مابعد کے اکثر فلاسفہ بالخصوص رومانوی مفکرین نے تصور جلال میں اسی کے نقوش پا کو اپنے لیے حرز جاں بنالیا اور کانٹ کے تصور جلال ہی کے بعض نکات کو ترقی دے کر یا اس کے نقائص دور کر کے اپنے تصور جلال کو پیش کیا۔

کانٹ (Kant) کے نزدیک جمالیاتی تصدیق Aesthetical Judgment دو جداگانہ اصناف میں منقسم ہے:اول جمال Beauty اور دوم جلال Sublime۔اس کے خیال میں جلال کی دو اقسام ہیں۔

۱۔　ریاضیاتی جلال Mathematical Sublime

۲۔　فطرت میں موجود حرکی جلال Dynamical Sublime in Nature

کانٹ (Kant) کے خیال میں جلیل نفس میں حرکت Movement پیدا کرتا ہے اس حرکت کا تعلق اگر معرفت Faculty of Cognition کے ساتھ ہو تو اسے ریاضیاتی جلال "Mathematical Sublime" کہتے ہیں اور اگر اس کا تعلق ارادہ Faculty of Desire کے ساتھ ہو تو اسے حرکی جلال "Dynamical Sublime in Nature" کہتے ہیں(۷)۔

''ریاضیاتی جلال'' کا دارومدار عظمت پر ہے۔یہ ان معروضات میں پایا جاتا ہے جو اپنے قد و قامت کی

بڑائی کی وجہ سے صرف لامتناہیت کے پیمانے سے ناپے جا سکتے ہیں(۸)۔ جبکہ حرکی جلال قوت میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ یہ ان معروضات میں پایا جاتا ہے جو زبردست قوت کے حامل ہوتے ہیں مثلاً تندو تیز طوفان، موجیں مارتا ہوا سمندر وغیرہ۔ انسان ان معروضات سے صرف مرعوب ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کے دل و دماغ میں وہ اخلاقی قوت بیدار ہو جاتی ہے جو اس کے اندر پوشیدہ ہوتی ہے۔ اور جس میں ہر خارجی طاقت سے ٹکر لینے کی ہمت موجود ہوتی ہے۔

ہیگل (Hegel) نے تصورِ جلال Sublime کانٹ کی فکر سے کشید کیا ہے، البتہ اس نے کانٹ کے تصورِ جلال میں جو نقائص محسوس کیے ان کو دور کر کے کانٹ کی نسبت ایک بہتر تصورِ جلال پیش کیا۔ ہیگل کے خیال میں جلال نہ تو جسامت میں ہوتا ہے نہ قد و قامت میں اور نہ ہی اسے فطرت یا ذہنِ انسانی کی کوئی صفت قرار دیا جا سکتا ہے، بلکہ اس کے خیال میں جلال لامتناہیت پر مبنی ہوتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

> The sublime in general is the attempt to express the infinite, without finding in the sphere of phenomena an object which proves adequate for this representation.(9)

> جلال عمومی طور پر لامتناہیت کو پیش کرنے کی کوشش کا نام ہے، مظاہر کی حدود میں کسی ایسے معروض کو تلاش کیے بغیر جو جلال کو پیش کرنے کے لیے کافی اور مناسب ہو۔

اس اقتباس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہیگل کے نزدیک لامتناہیت کو پیش کرنے کی کوشش کا نام جلال ہے۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ ہیگل کے نزدیک اگر کوئی لامتناہی وجود ہے تو خدا کا وجود ہے لہٰذا اس کے نزدیک جلال خدا میں پایا جاتا ہے۔

ورڈز ورتھ (Wordsworth)، کولرج (Coleridge) اور دیگر رومانوی مفکرین جلال کے حوالے سے کانٹ اور ہیگل کے ہی پیروکار ہیں۔ کانٹ نے جلال کو مظاہرِ فطرت کے ساتھ اور ہیگل نے الوہیت کے ساتھ منسلک کیا تھا اور یہ رومانوی مفکرین کے پسندیدہ موضوعات ہیں۔ اس لیے رومانی مفکرین کے تصورِ جلال میں انھی دو مفکرین کے تصورات کی جھلک نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے۔

ورڈز ورتھ نے اپنی نظم "Fidelity" میں محیرالعقول مظاہرِ فطرت اور کائناتی قوتوں کو مظاہرِ جلال کے طور پر پیش کیا ہے۔ ان قوتوں کے نظارہ سے انسان کے دل میں مسرت و انبساط کے بجائے تحیر پیدا ہوتا ہے۔ انسان ان کائناتی قوتوں کے سامنے کمزور ہونے کے باوجود ان پر غلبہ پانے کی جدوجہد کرتا ہے۔ ورڈز ورتھ کا تصورِ جلال ارتقائی نوعیت کا ہے وہ فطرت کے جلال سے ذہن اور پھر ذہن سے الوہیت کے جلال کی طرف

صعود کرتا ہے۔اپنی نظم" The Prelude "کے اختتام پر اس نے فطرت، ذہن اور الوہیت کے مابین خلیج کو پاٹنے کی کوشش کی ہے اور اپنے تصورِ جلال کو تصورِ الٰہ سے مربوط کر دیا ہے۔

Feeling of life endless, The one thought by which we live, Infinity and God.(10)

ورڈز ورتھ کے تصورِ جلال سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے ابتدائی دور میں کانٹ کے تصورِ جلال سے متاثر تھا اور اسی کے زیرِ اثر وہ فطرت کے مظاہر کو جلال کا حامل سمجھتا ہے بعد ازاں ہیگل کے تصورِ جلال کے زیرِ اثر اس کے تصورِ جلال میں الوہی رنگ جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔

ورڈز ورتھ کے دوست کولرج کا تصورِ جلال بھی اپنی نوعیت کے اعتبار سے ورڈز ورتھ کے تصورِ جلال کے مماثل ہے۔ اس کی نظموں میں بھی فطرت کے پر ہیبت مناظر، Arctic Region کی منجمد کرتی ہوائیں، خون جما دینے والے یخ بستہ پانی اور سمندری طوفان جیسے مناظر اس کے تصورِ جلال کو بیان کرتے ہیں تاہم کولرج، ورڈز ورتھ کی نسبت لامتناہی وسعت پر زور دیتا ہے(۱۱)۔یوں اس کا نظریۂ جلال کانٹ کے بجائے ہیگل کے قریب ہے۔

شیلے(Shelley) افلاطونی فلسفہ کے زیرِ اثر اخلاقیات کا علم بردار ہے اسی لیے یہ اخلاقی جلال (Ethical Sublime) کا قائل ہے۔ شیلے نے اپنے اخلاقی جلال کے تصور کو اپنی نظم" Mont Blanc"میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ شیلے(Shelley) جلال کو نادیدہ قوت Some unseen Power کے الفاظ سے ایک برتر خیر Supreme Goodness کی طرف اشارہ کرتا ہے۔اور یہ برتر اچھائی کسی پُر جلال کائنات میں some sublimer world میں مقیم ہے۔

الغرض کانٹ کے تصورِ جلال کے دو بنیادی نکات تھے: اول یہ کہ جلال قوت پر مبنی ہے اور اس کو کسی مجسم صورت میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ دوم یہ کہ جلیل اشیاء ہمارے دل میں ایک قسم کا ہیجان پیدا کر دیتی ہیں۔ ہیگل کانٹ کے تصورِ جلال کے پہلے نکتہ کو بنیاد بنا کر جلال کو قوت سے وابستہ کرتا ہے تاہم وہ اس کے لیے لامتناہیت کی شرط لگاتا ہے اس لیے اس کے تصورِ جلال میں الوہی رنگ پایا جاتا ہے۔ رومانی مفکرین ورڈز ورتھ، کولرج اور شیلے، کانٹ اور ہیگل دونوں سے متاثر تھے اس لیے ان کے تصوراتِ جلال میں دونوں کا رنگ جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔

اقبال کا تصورِ جلال بھی قوت کے گرد گھومتا ہے۔ اقبال ہیگل کے ساتھ اس بات میں متفق ہے کہ لامتناہی

قوت و جبروت کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے(تاہم اس کے باوصف اقبال اور ہیگل میں تصورِ الہٰ کا فرق ہے اقبال توحید کا علمبردار ہے جبکہ ہیگل مسیحی تصورِ الہٰ کا حامل ہے) اسی لیے اقبال اللہ تعالیٰ کو جلال کا منبع قرار دیتے ہوئے، اللہ تعالیٰ کے جلال کی قسم اٹھا کر امت محمدیہ کے لیے قوت و جلال کا خواستگار ہے۔

بجلال تو کہ در دل دگر آرزو ندارم

بجز ایں دعا کہ بخشی بہ کبوتراں عقابی (۱۲)

تاہم اقبال رومانوی مفکر ورڈزورتھ اور کولرج کے ساتھ اس بات میں متفق ہے کہ باری تعالیٰ کی یہ قوت و جلال، فطرت کے عظیم مظاہر میں بھی جلوہ نما ہوتی ہے۔ اور یہ عظیم مظاہر انسان کے دل پر ہیبت طاری کر دیتے ہیں۔ اقبال ان عظیم مظاہر فطرت میں سے سمندر کے جلال کو بے مثل قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ اقبال اپنے ایک خط میں سمندر کے جلال کے بارے میں لکھتے ہیں:

جہاز کے سفر میں دل پر سب سے زیادہ اثر ڈالنے والی شے سمندر کا نظارہ ہے، باری تعالیٰ کی قوت لا متناہی کا جو اثر سمندر دیکھ کر ہوتا ہے شاید ہی کسی چیز سے ہوتا ہو(۱۳)۔

تاہم اقبال جلال کو صرف عظیم مظاہر فطرت میں مقید نہیں کرتے بل کہ اقبال کے خیال میں فنی تخلیقات اور انسان کے کردار میں بھی جلال ہوتا ہے۔

خودی سے مردِ خود آگاہ کا جلال و جمال

کہ یہ کتاب ہے باقی تمام تفسیریں (۱۴)

اقبال اور رومانی مفکرین کے تصورِ جلال کا اساسی نکتہ قوت ہے۔ تاہم اقبال اور رومانوی مفکرین کے فلسفۂ قوت میں بہت فرق ہے۔ اقبال جلال کو مظہرِ قوت تو سمجھتا ہے لیکن اسے حسن کا توازنی عنصر قرار دیتا ہے۔ چنانچہ حمید اللہ خان، تاج محل کے بارے میں اقبال کی گفتگو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

دراصل یہی قوت کا عنصر ہے جو حسن کے لیے توازن قائم کرتا ہے(۱۵)۔

اقبال کے نزدیک جو قوت انسان کو عقل و حکمت سے بیگانہ کر دے وہ انسانیت کے لیے تباہ کن ہے۔

تاریخِ امم کا یہ پیامِ ازلی ہے

صاحب نظراں نشۂ قوت ہے خطرناک

لا دیں ہو تو ہے زہرِ ہلاہل سے بھی بڑھ کر

ہو دیں کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاک (۱۶)

ایک اور شعر میں اقبال قوت تحت العقل کو امم کی تقدیر بدلنے کا باعث قرار دیتے ہوئے ایسی قوت کو شمشیر محمد اور چوب کلیم کی تلمیحات سے واضح کرتے ہیں۔

ہر زمانے میں دگرگوں ہے طبیعت اس کی

کبھی شمشیر محمد ہے، کبھی چوب کلیم　(۱۷)

اقبال کا تصور جلال دراصل قرآن مجید کی ایک آیت سے ماخوذ ہے، سورۃ الفتح میں اللہ تعالیٰ مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

وَ الَّذِينَ مَعَهُ اَشِدَّآ ءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَماءُ بَيْنَهُم .(۱۸)

اور جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں سخت ہیں کفار پر رحیم ہیں ایک دوسرے کے ساتھ۔

اقبال نے قرآن مجید کی اس آیت کا مفہوم متعدد اشعار میں بیان کیا ہے:

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم

رزم حق و باطل ہے تو فولاد ہے مومن

غفاری و قہاری و قدوسی و جبروت

یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان (۱۹)

اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ رومانوی مفکرین کے برعکس اقبال کے جمالیاتی افکار میں جلال، حسن سے کوئی جداگانہ شے نہیں ہے بلکہ جلال، حسن کا جز ہے۔ حسن نام ہے شے کا خارجی تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کا، جسے قرآن کی اصطلاح میں تسویہ کہتے ہیں۔ تسویہ کا مطلب ہے کہ شے کے جو اجزا لطافت کا تقاضا کریں ان میں لطافت ہو اور جو کرختگی اور قوت کا تقاضا کریں ان میں قوت اور کرختگی پائی جائے یوں جلال حسن کی ایک صفت کے طور پر سامنے آتا ہے۔ اقبال بھی جلال کو حسن کی ایک صفت قرار دیتے ہیں اور اسے تسویہ میں داخل سمجھتے ہیں۔

حفاظت پھول کی ممکن نہیں ہے

اگر کانٹے میں ہو خوئے حریری　(۲۰)

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اقبال کا تصور جلال قوت و ہیبت پر استوار ہے۔ البتہ اقبال تنہا قوت و ہیبت کے دلدادہ نہیں ہیں بلکہ اقبال کے تصور حسن میں جلال اور جمال دونوں ہم رکاب ہیں

تاہم جمال کا قدم قدرے کٹا محسوس ہوتا ہے۔ یوں اقبال کے خیال میں جلال کی دو اقسام ہیں:

۱۔ جلال با جمال ۲۔ جلال بے جمال

۱۔جلال با جمال

جلال با جمال سے مراد وہ جلال ہے جو تقاضائے ذات سے ہم آہنگ ہو۔دراصل اقبال کے نزدیک "جمال یا حسن "شے کو اس کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کا نام ہے۔گویا کسی شے کا تقاضا قوت و قہاریت ہو اور وہ شے قوت وقہاریت سے ہم آہنگ ہو جائے تو اس شے کا یہ جلال بھی جمال کہلائے گا۔اسی لیے اقبال، ایسے جلال میں بھی یک گونہ جمال محسوس کرتے ہیں۔

نہاں اندر جلال او جمالے
کہ او را نہ سپہر آئینہ دار است (۴۱)

مری نظر میں یہی ہے جمال وزیبائی
کہ سر بسجدہ ہیں قوت کے سامنے افلاک (۴۲)

اقبال کے خیال میں یہ "جلال با جمال "ہی جمال لازوال ہے۔جو شے بھی جلال با جمال سے متصف ہو جائے وہ لازوال ہو جاتی ہے۔

مردے آزادے چو آید در سجود
در طوافش گرم رو چرخ کبود

ماغلاماں از جلالش بے خبر
از جمال لازوالش بے خبر (۴۳)

اقبال جلال باجمال کو ابدیت کی تصویر قرار دیتے ہیں۔اسی لیے اہرام مصر کے بارے میں اقبال کہتا ہے۔

اہرام کی عظمت سے نگوں سار ہیں افلاک
کس ہاتھ نے کھینچی ابدیت کی یہ تصویر (۴۴)

۲۔جلال بے جمال

اقبال کے نزدیک جلال کے لیے جمال کا حامل ہونا (یعنی شے کی ذات، جلال کا تقاضا کرتی ہو) ضروری ہے۔اگر جلال تقاضائے ذات کے بغیر پایا جائے گا تو ایسا جلال تباہ کن ہوگا۔اقبال ایسے "جلال بے جمال" سے پناہ مانگتے ہیں۔

از جلالِ بے جمالے الاماں

از فراقِ بے وصالے الاماں (۲۵)

اقبال کے خیال میں "حسن کامل" جلال و جمال کی معتدل آمیزش کا نام ہے۔ حسین شے ایک کل کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کل کے تمام اجزا میں سے ہر جز کے اپنی ذات کے حوالے سے الگ الگ تقاضے ہوتے ہیں۔ بعض اجزا جلال کا تقاضا کرتے ہیں اور بعض جمال کا تقاضا۔ جب کل کے تمام اجزا اپنے تقاضوں کے اعتبار سے جلال و جمال سے ہم آہنگ ہو جائیں تو کامل حسن کی نمود ہوتی ہے۔

او لاالٰہ کے وارث ! باقی نہیں ہے تجھ میں

گفتار دلبرانہ، کردار قاہرانہ (۲۶)

''لاالٰہ کا وارث'' ایک کل کی حیثیت رکھتا ہے۔ گفتار و کردار اس کے اجزا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ گفتار کا تقاضا جمال ہے جبکہ کردار کا تقاضا جلال ہے، جب یہ دونوں اجزا اپنے اپنے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو جائیں تو جلال و جمال کا یہ مجموعہ کامل حسن ہے جسے اقبال کبھی لاالٰہ کا وارث کہتا ہے کبھی مومن اور کبھی مردِ آزاد کہتا ہے۔

اقبال کے تصورِ جلال کے حوالے سے یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ اقبال کے خیال میں جلال اپنی ماہیت کے اعتبار سے مطلق قدر نہیں ہے بلکہ اضافی ہے، یعنی ہر شے کا جلال بقدرِ ہمت اوست کے مصداق ہے۔ لہٰذا اقبال کے نزدیک کبریائی کا جلال اس کے قیام میں، جبکہ بندگی کا جلال سجدہ ریز ہونے میں ہے۔

جلال کبریائی در قیامش

جلال بندگی اندر سجودش (۲۷)

اس تقابلی جائزہ سے واضح ہوتا ہے کہ اقبال کے تصورِ جلال اور رومانوی مفکرین کے تصورِ جلال میں جزوی نوعیت کی مماثلت پائی جاتی ہے رومانوی مفکرین کے تصورِ جلال کا اساسی نکتہ قوت ہے۔ اقبال بھی جلال کے لیے قوت کو ضروری قرار دیتے ہیں البتہ اقبال کے خیال میں جلال حسن سے کوئی علیحدہ شے نہیں بلکہ تسویہ کی ہی ایک صورت ہے جبکہ رومانوی فکر میں جلال کو حسن سے الگ سمجھا جاتا ہے۔ اقبال کے تصورِ جلال میں رومانوی مفکرین کے تصورِ جلال کی نسبت زیادہ جامعیت پائی جاتی ہے۔ اقبال جلال کو صرف مظاہرِ فطرت میں محدود نہیں سمجھتا بلکہ فنی تخلیقات اور انسان کا کردار بھی جلال کا حامل ہوتا ہے۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ القزوینی، احمد بن فارس، مقاییس اللغۃ، دار الفکر بیروت، س۔ن، جز ۳، ص ۱۲۵

۲۔ الہروی، محمد بن احمد، تہذیب اللغۃ، دار احیاء التراث العربی بیروت، الطبعۃ الاولیٰ، ۲۰۰۱ء، جز ۱۰، ص ۲۶۲

۳۔ ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، دار صادر بیروت، الطبعۃ الثالثۃ ۱۴۱۴ھ، جز ۱۱، ص ۱۱۷

4.Knight, Richard Payne, An Analytical Enquiry into the Principles of Taste, London, 1806,P.336

5.Aristotle, Politics,Eng.Trans. Benjamin Jowett, Batoche Books Kitcener,1999,P.159

6.Lessing, Gotthold Ephraim, Laocoon, Eng.Trans. Robert Phillimore, London,1874, P.295

7.Kant, Critique of Judgment, Eng. Trans. J.H. Bernard ,Macmillan & Co., Limited London,1931,P.106

۸۔ ریاضیاتی جلال میں قد و قامت کا یہ تصور ارسطو کی تعریف حسن سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے۔

9.Hegel, Aesthetics: Lecturers on Fine Arts, Eng. Trans. T. M. Knox, Oxford University Press, New York ,1988, Volume 1, P.363

10. Wordsworth, Poem "The Prelude ", Lines 570-72

11. Letters of S.T. Coleridge, Edited by E.H. Coleridge, P228

۱۲۔ محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال فارسی، زبور عجم، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، اشاعت دوم ۱۹۹۴ء، ص ۴۸/۳۷۲

۱۳۔ شیخ عطاء اللہ، اقبال نامہ، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور ۲۰۰۵ء، حصہ اول، خط بنام مولوی انشاء اللہ خان مورخہ ۱۲ ستمبر ۱۹۰۵ء، ص ۵۶

۱۴۔ محمد اقبال، علامہ، ارمغان حجاز، اقبال اکادمی پاکستان، اکتوبر ۲۰۱۳ء، ص ۵۵

۱۵۔ حمید اللہ خان، پروفیسر، اقبال : شخصیت اور شاعری، اقبال اکادمی پاکستان، طبع ثالث، س۔ن، ص ۶۰

۱۶۔ محمد اقبال، علامہ، ضرب کلیم، اقبال اکادمی پاکستان، اکتوبر ۲۰۱۴ء، ص ۵۵

۱۷۔ ضرب کلیم، ص ۱۵۶ ۱۸۔ الفتح ۲۹:۴۸

۱۹۔ ضرب کلیم، ص ۴۳ ۲۰۔ ارمغان حجاز، ص ۴۱

۲۱۔ ارمغان حجاز، ص ۹۷ ۲۲۔ ضرب کلیم، ص ۱۳۵

۲۳۔ کلیات اقبال فارسی، پس چہ باید کرد، ص ۸۰۹/ ۳۳ ۲۴۔ ضرب کلیم، ص ۱۲۸

۲۵۔ کلیات اقبال فارسی، جاوید نامہ، ص ۵۳۸/۷۶

۲۶۔ محمد اقبال، علامہ، بال جبریل، اقبال اکادمی پاکستان، اکتوبر ۲۰۱۳ء، ص ۶۰

۲۷۔ کلیات اقبال فارسی، ارمغان حجاز، ص ۸۶۶/ ۱۱۴

☆☆☆☆☆